اقبال اور تحریک خلافت

ڈاکٹر خالد مبین

Dr. Khalid Mubeen

Vice Principal,

Govt. Khawaja Rafiq Shaheed College, Walton, Lahore.

Abstract:

According to Iqbal, the Turkish Caliphate was not a caliphate but a property. He says that Caliphate is the perfect form of the political system which was blessing for the world. He says that monachry is forbidden in Islam because Islam is a universal religion and it doesn't require the existence of any particular region or country. That's why Iqbal didn't react strongly to the abolition of the Caliphate. But when the Turks embraced secularism and began to imitate the West, Iqbal urged them to follow the principle of their religion, Islam, instead of imitating others. He said that the Turks not to imitate others if they were to create their own world.

ترکوں کی خودمختاری اور خلافت کے منصب کے تحفظ کے لیے مسلمانان برصغیر نے بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ایک تحریک کا آغاز کیا جسے عرف عام میں تحریک خلافت کہا گیا۔ اس تحریک کے قائدین علی برادران تھے۔ خلافت کے منصب پر ۱۵۱۷ء میں ترکیہ کے سلطان سلیم فائز ہوئے۔ مغلوں کے دور زوال میں ترک سلطان، مسلمانوں کا روحانی پیشوا تھا۔ پہلے ترک، انگریزوں کی طرف مائل تھے اور انھوں نے ٹیپو سلطان کی شکست اور غدر کے واقعات میں انگریزوں کا ساتھ دیا مگر ۱۸۷۸ء کے بعد ان کی جرمنی سے وفاداری بڑھ گئی۔ جنگ بلقان وطرابلس کے بعد ترکیہ کمزور ہو چکا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ نبھایا۔ انگریز ترکیہ سے بپھر گئے اور اس کے حصے بخرے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۱۴ء کو لندن ٹائمز نے ''ترکوں کی پسند'' کے نام سے ایک اشتعال انگیز مضمون لکھا جس کا مولانا محمد علی جوہر نے اخبار ''کامریڈ'' میں منہ توڑ جواب دیا(۱) اسکی پاداش میں انھیں گرفتار کر لیا گیا اور کامریڈ اخبار بند کر دیا گیا۔ چنانچہ جنگ عظیم اول کے اختتام کے بعد برطانوی افواج ۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو موصل پر قابض ہوئیں۔(۲) مذکورہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے ۲۳ ستمبر ۱۹۱۸ء کو لکھنؤ کے ایک اجلاس میں مسلمانوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی جس کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ خلافت عثمانیہ برقرار رکھی جائے۔

۲۔ ترکی سرحدوں کی حدود میں تبدیلی نہ کی جائے۔

۳۔ مقاماتِ مقدسہ کی حرمت برقرار رکھی جائے۔

ابتدا میں خلافت کمیٹی کے تاسیسی جلسے میں ترکوں کے لیے یومِ دعا منایا گیا۔ جشنِ فتح کے بائیکاٹ کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جو ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہی۔(۳) ایک قرارداد میں کہا گیا کہ ''اگر مسلمانوں کے مطالبات پر فوری توجہ نہ دی گئی تو مسلمان انگریزی محاصل کا بائیکاٹ کریں گے۔''(۴) علماء نے بھی سیاست میں قدم رکھ دیا۔ خلافت کانفرنس کے اجلاس کے دو روز بعد ہی دہلی میں جمعیت علمائے ہند کی بنیاد رکھ دی گئی جس کے پہلے صدر مفتی کفایت اللہ مقرر ہوئے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے لوگوں سے یکجہتی کے لیے وہاں سیاسی جلسے ہوئے علی برادران بھی وہاں گئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا، ''میں جیل سے واپسی کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں۔''(۵) فیصلہ یہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک وفد یورپ بھیجا جائے گا۔ ۱۹ فروری ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی کا ایک وفد گورنر جنرل سے ملا جس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۲۰ء میں ہی یہ وفد انگلستان روانہ ہوا۔ برطانوی دارالعوام میں صرف چند ارکان نے ترکوں کی حمایت کی جبکہ باقی تمام نے مخالفت کی۔(۶) برطانوی قوم ترکیہ کے خلاف تھی۔(۷) مارچ کو مختصر سی ملاقات میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلمانوں کے مطالبات پیش کیے مگر برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج ترکیہ کے خلاف ہی تقریر کرتا رہا۔ اس نے تھریس اور سمرنا جیسی خالص ترک ریاستوں پر یونانی قبضے کی حمایت کی اور وفد کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ انھیں صلح کانفرنس میں تقریر کی اجازت دی جائے جبکہ پیرس کی صلح کانفرنس میں دو ہندو شامل تھے۔(۸)

وزیر اعظم لائیڈ جارج کے جواب نے مسلمانوں کے جذبات کو بُری طرح مجروح کیا اور انھوں نے ۱۹ مارچ کو ''یومِ غم'' منایا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۲۰ء کو لندن میں ایک تقریر میں مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا، ''تم جرمنی اور آسٹریا کی طرح ترکی کے حصے بخرے نہیں کر سکتے کیونکہ جس دن تم نے ایسا کیا تو ساڑھے سات کروڑ مسلم رعایا کے جذبات مجروح کرو گے۔''(۹) مولانا دو دن پہلے پیرس میں کہہ چکے تھے کہ جزیرۃ العرب میں صرف مسلمانوں کا کنٹرول رہے گا وہ کسی کی حفاظت میں نہیں دیا جائے گا اور خلیفہ بدستور مقاماتِ مقدسہ کا مالک رہے گا۔(۱۰) اکتوبر ۱۹۲۰ء میں یہ وفد ناکام لوٹا۔ مئی ۱۹۲۰ء میں ترکیہ سے معاہدے کی شرائط پیش کی گئیں جس کے تحت ۱۱، اگست ۱۹۲۰ء کو معاہدۂ سیورے کے بعد ترکیہ کی موت یقینی نظر آنے لگی مگر دوسری جانب انقرہ میں قومی حکومت قائم ہوئی اور مصطفیٰ کمال پاشا نے یونانیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کے اس جوش اور توانائی کو ہندوؤں کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہا ایک موقع پر اس نے کہا کہ میں نے خلافت کو اپنا مقصد بنا لیا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ اس سے گائے کو بھی تحفظ مل جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک جان اور دو قالب بنانے کا ایسا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔(۱۱) وہ سمجھتا تھا کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں دلی اتحاد ہو جائے تو پھر گائے کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔(۱۲) لیکن مولانا محمد علی جوہر انگریز سامراج ختم کر کے انگریزوں کو کمزور دیکھنا چاہتے تھے تاکہ عالمِ اسلام محفوظ رہے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں گاندھی جی نے تحریکِ عدم تعاون کا اعلان کیا جس کے تحت خطابات کی واپسی، عدالتی بائیکاٹ، سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی اور پولیس اور فوج سے علیحدگی کو اپنا مقصد بنایا گیا۔

(i) تحریکِ خلافت کے اثرات

تحریکِ خلافت ۱۸۵۷ء سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں کی پہلی اور آخری مشترکہ انقلابی کوشش تھی جسے اس کے قائد مہاتما گاندھی نے خود ختم کر دیا۔(۱۳) مسلمانوں کو اس تحریک نے عوامی رہنما دیے اور عوامی تحریکات چلانے کے طریقے سکھائے۔

تحریک خلافت نے مسلم عوام کے بڑے حصے میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ انگریزی راج سے ان کی دشمنی ہندوراج سے بھی بڑھ کر تھی۔(۱۴) تحریک خلافت کے باعث مسلمانوں کی زندگی میں سادگی آئی۔ قربانی کا جذبہ دلوں میں موجزن ہوا اور کئی مخلص رہنما میدان میں اترے۔ تحریک خلافت نے مسلمانان برصغیر کے مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جس کی وجہ سے مذہبی لوگ اور علماء بھی سیاسی میدان میں کود پڑے اور جب تحریکِ خلافت کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے تو پھر بھی وہ سیاسی میدان سے واپس نہیں آئے۔(۱۵)

تحریک خلافت نے ترکوں کو فائدہ پہنچایا۔ برصغیر کے مسلمان ان کی فوجی امداد تو نہ کر سکے مگر ان کی قربانیوں کے باعث ترک اپنی پہچان برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ اگرچہ یونانیوں پر ترکوں کی فتح حکومت انقرہ کی قیادت میں ہوئی مگر تحریک خلافت نے برطانیہ کو یونانیوں کی مدد سے روکا جو لائیڈ جارج اور اس کے رفیق چاہتے تھے۔(۱۶) تحریک خلافت بظاہر اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکی مگر ایک طرف برطانوی حکومت نے یہ محسوس کر لیا کہ ان کے اقتدار کا زوال شروع ہو چکا ہے تو دوسری طرف تحریک خلافت کے باعث کانگریس کو مقبولیت ملی۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا انعقاد' ولایتی مال کے بائیکاٹ کا فیصلہ' مقدس مقامات، ایران وترکیہ کی توہین پر احتجاج' خلافت کے بارے میں مسلمانوں کے نازک جذبات کی ترجمانی' تحریکِ خلافت' تحریک ترکِ موالات ستمبر ۱۹۲۰ء میں' سرکاری خطابات کی انگریز حکومت کو واپسی' سرکاری سکولوں سے مسلمان بچوں کا بطور احتجاج اخراج' مسلمانوں کا انگریز کی ملازمت سے انکار یہ سب اعمال ترک مسلمانوں کے ساتھ گہرے رشتوں کی غمازی کرتے ہیں۔ تحریکِ خلافت برادر اسلامی ملک کے حق میں برصغیر کے مسلمانوں کی والہانہ محبت کا زبردست تاریخی ثبوت ہے۔ اس تحریک کے تحت ترکی بھیجی جانے والی مالی اعانت کا تذکرہ کرتے ہوئے نثار احمد اسرار لکھتے ہیں کہ دور برطانیہ کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۱۹۲۰ء میں ۱۸ ہزار پونڈ اور ترکی کے فوجی ریکارڈ کے مطابق دسمبر ۱۹۲۱ء سے اگست ۱۹۲۲ء کے دوران ایک لاکھ چھ ہزار چار سو پونڈ امداد ترکی کو بھیجی گئی۔(۱۷) ۱۹۲۰ء میں معتدل مزاج ہندو ارکان کانگریس سے نکل گئے تھے۔ گاندھی جی نئے نئے سیاست میں آئے تھے انھیں مقبولیت ملی اور وہ ۲۸ سال ہندوؤں اور کانگریس پر چھائے رہے۔ وہ حکومت سے سودے بازی کرتے اور ان کی حیثیت تمام طبقوں کے واحد نمائندے جیسی ہوگئی۔ تحریک خلافت ہندو مسلم اتحاد کا باعث بنی مگر سول نافرمانی کی تحریک میں ہندوؤں کے دہرے معیارات نے دوبارہ ان میں دشمنی پیدا کی۔ تحریک عدم تعاون کا اچانک خاتمہ مسلمانوں کی مایوسی کا سبب بنا۔ نفاق کی صورتحال پیدا ہوئی اور لیڈروں پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ جو قیادت دس سال سے خون گرما رہی تھی اب دس سال کے لیے خاموش ہوگئی۔ تحریک خلافت کے باعث مسلمانوں سے انگریز حکومت کا رویہ بہت سخت ہوگیا۔ شفاعت احمد خاں جب ۱۹۲۷ء میں مسلم اقلیت کا کیس لے کر لندن گئے تو محسوس کیا کہ انگریز، مسلمانوں کی تحریکِ خلافت کو نہ صرف جرم گردانتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک وہ ناقابلِ معافی جرم ہے۔(۱۸)

تحریک خلافت میں ہندو قوم بھی شریک تھی مگر انھوں نے مسلمانوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور ان کی چال سب کے سامنے واضح ہوئی۔ مسلم قائدین کی شہرت کو بھی اس تحریک کی ناکامی سے بہت نقصان پہنچا۔ بڑے بڑے لیڈر گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے جہاں ایک طرف اس تحریک سے مایوسی کی فضاء پیدا ہوئی وہاں دوسری طرف مسلمانوں نے اپنی قوت کا رُخ ایک الگ وطن کے حصول کی طرف موڑ لیا۔

برصغیر میں مکمل آزادی کا مطالبہ سب سے پہلے مسلمانوں نے کیا۔ دسمبر ۱۹۲۱ء کے کانگریس کے اجلاس میں مولانا

حسرت موہانی نے مکمل سوراج کی قرارداد پیش کی لیکن گاندھی نے لفظ سوراج کو مکمل آزادی کے مفہوم میں تسلیم نہ کیا جس پر مولانا حسرت موہانی نے کہا، '' مہاتما جی میں جانتا ہوں کہ آپ صرف درجہ نوآبادیات چاہتے ہیں تا کہ انگریزوں کی سنگینوں سے مسلمانوں پر حکومت کریں مگر میں مسلمانوں کو چکی کے دو پاٹوں میں پسنے نہ دوں گا۔'' (۱۹) تحریک سول نافرمانی کی قیادت گاندھی کے پاس تھی۔ فروری ۱۹۲۲ء میں ضلع گورکھپور کے گاؤں چوراچوری میں پولیس اور ایک عوامی جلوس میں جھڑپ ہوئی۔ پولیس کے پاس گولیاں ختم ہوئیں تو انھوں نے ایک تھانے میں پناہ لی۔ تھانے کو آگ لگا دی گئی۔ اس واقعہ کا سخت نوٹس لیتے ہوئے گاندھی نے کانگریس سے مشورہ کیے بغیر تحریک ختم کر دی۔ (۲۰)

ادھر ترکی میں انقرہ کو صدر مقام بنا کر ترکوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ ۱۹۲۳ء میں معاہدہ لوزان طے ہوا اور ترکیہ ایک خودمختار ریاست کے طور پر آگے بڑھا۔ مسلمانوں کو ایک اور بڑا دھچکا لگا جب نومبر ۱۹۲۲ء میں ترکوں نے خلافت کو ریاست سے علیحدہ کر دیا۔ آغا خان اور سید امیر علی نے خلیفہ کے انتظامی اختیار کو بحال کرنے کے لیے ایک خط ترک وزیراعظم عصمت انونو کو لکھا جو اخبار میں شائع ہو گیا۔ ترکی نے اس اقدام کو داخلی معاملات میں مداخلت گردان کر ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کا عہدہ ختم کر دیا۔ شریف مکہ نے اپنی خلافت کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی مگر شاہ عبدالعزیز نے اس کی حکومت چھین لی اور ۱۹۲۶ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تحریک خلافت اب عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ (۲۱)

(ii) اقبال اور تحریک خلافت

اقبال بعض وجوہ کی بنا پر تحریک خلافت کے حق میں نہ تھے۔ ان کے نزدیک تحریک نے حصول مقصد کے لیے مناسب راہ اختیار نہیں کی تھی نیز تحریک کے فکر و عمل سے غلامانہ تصور اخلاق اور دریوزہ گری کا انداز مترشح ہوتا تھا۔ (۲۲)

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی'' (۲۳)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ اقبال کے لفظوں میں تحریک خلافت کیا تھی اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جا رہی تھی۔ ان کے نزدیک ایسی خلافت جو مسلمانوں کے زور بازو کا نتیجہ نہ ہو بے معنی و مہمل تھی۔ (۲۴) اقبال خلافت کو ایک مذہبی مسئلہ سمجھتے تھے وہ اس مسئلے کو جس حد تک اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس مضمون سے ہوتا ہے جو انھوں نے ''اسلام میں سیاست'' کے موضوع پر ۱۹۰۸ء میں انگریزی زبان میں لکھا۔ (۲۵) اقبال کے مطابق خلافت ہی سیاسی نظام کی وہ اکمل صورت ہے جو دنیا کے لیے رحمت تھی چنانچہ نظم ''طلوع اسلام'' بھی ان کے انھی جذبات کی آئینہ دار ہے۔

''ارمغانِ حجاز'' میں بھی اقبال نے خلافت کے بارے میں اپنے خیالات کو ملوکیت سے موازنے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ملوکیت حرام ہے کیونکہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس کے لیے کسی خاص خطّہ یا ملک کا وجود لازم نہیں۔ انھوں نے کہا کہ عربوں نے آنحضورﷺ کی تعلیم پر عمل کر کے دنیا کو فتح کیا اور خلافت کا نظام قائم کیا جو ملت اسلامیہ کے لیے رحمت تھا مگر جب یہ خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو عالمِ اسلام پھر انھی اندھیروں میں ڈوب گیا جن میں وہ اس سے پہلے تھا۔

عرب خود را بہ نور مصطفیﷺ سوخت
چراغ مردہ مشرق برا فروخت
و لیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت(۲۶)

اقبال دراصل اُس خلافت کے خواہش مند تھے جو صحابہؓ کرام نے قائم کی تھی تا کہ مسلمان دوبارہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکیں اور گمراہی اور غلامی کے اس دور سے نجات حاصل کر کے دوبارہ امن اور سلامتی کی زندگی گزاریں:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر(۲۷)

جواہر لال نہرو نے تنسیخ خلافت کے حوالے سے ایک مضمون لکھا۔ جس کا عنوان تھا ''ترکیہ اب اسلامی ملک نہیں'' جو ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔ (۲۸) اقبال نے اس مضمون میں تنسیخ خلافت کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا کہ اپنی ذاتی حیثیت سے میرا یہ خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطہ نظر سر تا سر درست ہے، اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی رُوح کے عین مطابق ہے۔ ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرزِ حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علامہ اقبال نے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' سے ایک اقتباس بھی پیش کیا جس میں انھوں نے ابن خلدون کی رائے سے اتفاق کیا کہ وقت واحد میں ایک سے زیادہ خلفاء نہیں ہو سکتے۔ (۲۹)

اقبال کے نظریات و خیالات کے مطابق عالمِ اسلام کے لیے ایک واحد خلیفہ کا ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ جہاں اور جس خطہ میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے موجود ہوں وہاں اسلامی جمہوری حکومت کا ہونا بھی ضروری ہے جو اسلام کے روشن اصولوں پر قائم ہو۔ چنانچہ جب ترکیہ میں خلافت کا خاتمہ ہوا تو اقبال نے اس پر شدید ردِ عمل ظاہر نہ کیا بلکہ اتاترک کی کوششوں پر خوشی کا اظہار کیا۔ (۳۰) ہندوستان میں اقبال کے علاوہ خدا بخش اور مولوی برکت اللہ بھوپالی، سیٹھ چھوٹانی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر عبداللہ سہروردی کا طرزِ عمل بھی اسی نوع کا تھا۔

جمہوریت کے اسلامی تصور کی تشریح کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ جمہوریہ اسلامیہ کی بنیاد شریعت حقّہ کے مطابق ایک مطلق و آزاد مساوات پر قائم ہے۔ شریعت کے نزدیک کوئی گروہ، کوئی ملک، کوئی زمانہ فائق اور مرجع نہیں، اسلام میں کوئی مذہبی پیشوائی مشیّت ربانی نہیں، ذات پات یا نسل وطن کا امتیاز نہیں۔ (۳۱) اسلامی جمہوریت کی بنیاد انسانی مساوات پر قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تنسیخ خلافت پر شدید ردِ عمل کا اظہار نہ کیا بلکہ وہ اتاترک کی کوششوں کو سراہتے رہے۔ ایک نظم جو

''پیامِ مشرق'' میں شامل ہے اقبال نے اتاترک کوخراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے نام کے ساتھ ''ایداللہ بنصرالعزیز'' کا اضافہ کیا تھا۔ اقبال نے اتاترک کی جوانمردی کی تعریف کی:

اے بسا صید کہ بے دام بفتراک زدیم
در بغل تیر و کماں کشتۂ نخچیر شدیم(۳۲)

اسی طرح اگست ۱۹۲۲ء میں جب انھیں خبر ملی کہ اتاترک نے یونانیوں سے تھریس اور قسطنطنیہ آزاد کروالیا ہے تو اقبال نے ایک مادۂ تاریخ لکھ کر گرامی کو بھیجا تھا:

شاخ ابراہیم رانم مصطفیٰ ﷺ
سال فتحش اسم اعظم مصطفیٰ ﷺ(۳۳)

جہاں تک ترکیہ کے انقلاب کے بعد رونما ہونے والی سیاسی، مذہبی تبدیلیوں کا تعلق ہے وہ اقبال کے لیے غیر متوقع نہ تھی لیکن جب ترکوں نے یہ نعرہ لگایا کہ ''ترکیہ ترکوں کے لیے ہے'' اور یورپ کے قدیم اصول اختیار کیے اور وطنیت پرستی اختیار کی تو اقبال نے اس کی مخالفت کی، وہ کہتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے(۳۴)

انھوں نے اس بات کی تلقین کی کہ دوسروں کی تقلید کرنے کی بجائے اپنے مذہب اسلام کے اصولوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ وہ چاہتے تھے کہ ترکیہ کو اگر اپنی دنیا آپ پیدا کرنی ہے تو وہ دوسروں کی تقلید نہ کرے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی(۳۵)

اور اسی تقلید کی وجہ سے اُن کے خیال میں اتاترک اور رضا شاہ دونوں میں اس رہبر کاملہ کی صفات نہیں جو مغرب کے سامراج سے مشرق کو نجات دلا سکے۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روح شرق، بدن کی تلاش میں ہے ابھی (۳۶)

اور جب انھوں نے دیکھا کہ اتاترک نئی ریاست کی بنیاد مذہب اسلام کے روشن اصولوں پر رکھنے کی بجائے لادینیت پر رکھ رہے ہیں تو انھوں نے اپنے تاسف کا اظہار اس طرح سے کیا:

اُمت بود کہ ما ز اثر حکمتِ او
واقف از سر نہانخانۂ تقدیر شدیم
مالک شرر باختہ رنگے بود است
نظرِ کرد کہ خورشیدِ جہانگیر شدیم(۳۷)

اقبال کے خیال میں ترکیہ کے انقلاب کی اصل وجہ مغرب پرستی یعنی وطن پرستی کا ایک نتیجہ بھی تھی۔

چاک کر دی تُرک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ (۳۸)

علامہ اقبال ایک مفکر اور مدّبر تھے اُن کی شاعری اور مضامین کا بنیادی جزو خود داری اور اُمید تھا لہٰذا وہ ترکوں کے مستقبل سے بھی نا اُمید نہیں تھے اپنے ایک مکتوب میں، جو مسعود عالم ندوی کے نام ہے، لکھتے ہیں:

ترکوں کے متعلق مایوس نہیں ہونا چاہیے ان کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ ہیں، ''یہ الحاد کی ہوا آئی ہے، کچھ دن بعد نکل جائے گی، جو کچھ ہوا جذبہ وطن پرستی بلکہ توران پرستی کا نتیجہ تھا۔۔۔'' (۳۹)

وہ مزید کہتے ہیں کہ ترکیہ میں مغرب پرستی عام ہے اور یہاں افرنگ زدہ لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔اس وطن پرستی اور مغرب پرستی کی تحریک کی راہنمائی اتاترک نے کی، لیکن عالم اسلام بالخصوص عرب دنیا میں یہ جذبات بہت پہلے پرورش پا رہے تھے۔ چنانچہ جب قسطنطنیہ یونیورسٹی (استنبول یونیورسٹی) میں مطالعہ اسلامیات کا شعبہ قائم ہوا تو انھوں نے، دینیات کے پروفیسر خالد خلیل کے نام ایک طویل مکتوب میں لکھا:

''اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اغلباً ایسے انکشافات بروئے کار آئیں گے جن سے دنیائے اسلام کی بابت تُرکوں کا دائرہ نظر وسیع ہو جائے گا اور اس طرح سے ممکن ہے کہ نوخیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین محکم تر ہو جائے۔'' (۴۰)

اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے وہ مسلمان علما کو نصیحت کرتے ہیں کہ ''ترکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لادینیت سے محفوظ و مامون کر لینا چاہیے۔'' (۴۱)

نہرو کے اس خیال پر کہ ''ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا'' اقبال نے اس خیال کی شدید مذمت کی اور اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کوئی شخص دو بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتا ہو یعنی ایک توحید اور ختم نبوت، تو ایک راسخ العقیدہ مُلّا بھی اُسے ایمان سے خارج قرار نہیں دے سکتا خواہ وہ فقہ اور شریعت پر پابند نہ ہو اور غلطیاں کرے۔ اقبال نے نہرو کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے بہت سے نکات بیان کئے اور بڑے ہی مدبّرانہ انداز میں مفصل طریقے سے اتاترک اور اس کی نافذ کی گئی اصلاحات کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اسلام میں لباس اور رسم الخط کی تبدیلی کی ممانعت نہیں بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ جوں جوں اسلام کی روشن خطوں میں روشنی بن کر پھیلی تو انھوں نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور وہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اپنی تہذیب کے مطابق لباس پہنتے رہے ہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

''کیا کثرت ازدواج کی ممانعت اور علماء سے ''اجازت نامہ'' حاصل کرنے کی قید عالم اسلام کے منافی نہیں ہے؟''۔ وہ کہتے ہیں کہ '' آج عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ افسانہ تراش ملّا اور نام نہاد عالموں کی وجہ سے ہے۔ میرا بس چلے تو میں اس قانون کو ہند میں بھی نافذ کر دوں'' اور اس اہم سوال پر کہ کیا تنسیخ خلافت یا مذہب و سلطنت کی علیحدگی منافیِ اسلام ہے؟ اقبال نے اس کا جواب بڑے ہی مؤثر انداز میں پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اسلام اپنی روح کے لحاظ سے شہنشاہیت نہیں اور موجودہ خلافت وہ خلافت نہیں جو صحابہؓ نے قائم کی بلکہ

بنوامیہ کے دور سے یہ ایک سلطنت بن گئی تھی لہٰذا مذہب و سلطنت کی علیحدگی یا خلافت کا ختم کرنا منافیٔ اسلام نہیں ہے۔'' (۴۲)

ریاست کے مذہبی و سیاسی کاموں کی تقسیم کے اسلامی تصور کو کلیسا اور سلطنت کے مغربی تصور سے ملایا نہیں جا سکتا۔ مسیحیت کا آغاز رہبانیت سے ہوتا ہے جو دنیا سے لاتعلق ہونے کا درس دیتی ہے جبکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کی کامرانی وفلاح کے لیے اصول متعین کرتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد معاشرے کی فلاح پر استوار کی گئی ہے۔ اگرچہ ان کا ماخذ الہامی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی تجربے کی تاریخ میں مذہب وسلطنت کی علیحدگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے قوانین انسانیت کی فلاح سے لاتعلق ہو جائیں جو صدیوں سے اسلامی روحانیت کے زیر اثر پرورش پا رہے ہیں۔ ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ان برائیوں سے پاک رہے گا جو امریکہ اور یورپ میں پیدا ہوگئی ہیں۔

نہرو کے اس سوال کے جواب میں، کہ اتاترک نے نسلی اور قومی نصب العین اختیار کر لیا ہے، اقبال لکھتے ہیں کہ اتاترک اتحاد تورانیت سے متاثر ہے تو وہ رُوحِ اسلام کے اس قدر خلاف نہیں جس قدر روحِ عصر کے خلاف ہے۔ اگر وہ نسلوں کے وجود کو ضروری خیال کرتے ہیں تو ان کو عصر جدید کی روح شکست دے گی اور عصر جدید کی روح اسلام کے عین مطابق ہے۔ اقبال کا خیال راسخ تھا کہ ''اتاترک تورانیت سے متاثر نہیں ہے۔ ان کا یہ اتحاد تورانیت ایک سیاسی جواب ہے اتحاد اسلام یا اتحاد المانویت یا اتحاد وائٹ اینگلو سیکسن کا۔'' (۴۳)

علامہ اقبال کے نظریات، جذبات و خیالات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ آزادی اور حریت کی قدر کرنے والے اور آزادی کی جنگ لڑنے والوں کی جوانمردی کو خراج تحسین پیش کرنے والے ایک مدبّر شاعر تھے مگر وہ ایک زبردست سیاستدان اور وکیل بھی تھے۔ انھوں نے اتاترک کی جوانمردی کی تعریف کی مگر وہ اسلام کو پوری کائنات کی بھلائی اور ترقی کے لیے بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت سے ایک روشن دلیل کے طور پر مانتے تھے۔ لہٰذا جب اتاترک نے تنسیخ خلافت کی اور اسلام کو آئین سے خارج کر کے لادینیت اختیار کی تو آپ نے بے اختیار اس کے لیے تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ مسلمانوں کو جبر و استبداد کے اس دور سے آزاد کروا سکے۔ خیر وہ ترکی کے اس انقلاب اور تبدیلیوں سے مایوس بھی نہیں ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی قوم جبر واستبداد سے آزاد ہوتی ہے تو وہ بعض دفعہ غلط قوانین کی پیروکار ہو جاتی ہے مگر یہ غلطیاں قابلِ معافی ہیں۔

علامہ اقبال اور جدید ترکیہ کے بانی کمال اتاترک کے خیالات یا منزل مقصود میں کوئی اتنا زیادہ بعد نہ تھا۔ بلکہ اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق دونوں ہی مظلوم مسلمانوں کی آزادی وفلاح کے علمبردار تھے چنانچہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اقبال اور ترک رہنماؤں، خصوصاً اتاترک کے مابین فکری و ذہنی روابط اور مشترک احساسات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جدید جمہوریہ ترکیہ کے بانی کمال اتاترک اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تصور کے خالق اقبال دونوں کی منزل نصب العینی اعتبار سے ایک ہی تھی۔ مگر راہوں کے کچھ اختلافات تھے جن سے شکوے بھی پیدا ہوئے۔ تاہم یہ شکوے وقتی اور عارضی تھے۔ قوموں کی زندگی میں ان کی حیثیت فروعی واقعات کی ہوتی ہے۔ اصل چیز منزل مقصود ہے، جس تک پہنچنے کے لیے ذہنی و جذباتی مفاہمت اور جذبہ اخوت ومحبت کی ضرورت مقدم ہے جس تک پہنچے کے لیے

ذہنی وجذباتی مفاہمت اور جذبہ اخوت ومحبت کی ضرورت مقدم ہے اور اس کی اساسی قدریں
بہرکیف ہمیشہ غیر متزلزل رہیں۔'' (۴۴)

حواشی وتعلیقات

۱۔ اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر، ملت اسلامیہ، کراچی: شعبۂ تصنیف وتالیف، کراچی یونیوسٹی، ۱۹٦۷ء، ص:۱۸٦

۲۔ ایضاً، ص:۱۸٦

۳۔ ایضاً، ص:

4. Abdul Hamid, Prof., Muslim Separatism in India: A brief survey, 1858-1970, London: Oxford university press, 1967, P:134

5. Ibid, P:125

6. Ibid, P:136

7. Ibid,

8. Poul Ernest Roberts, History of British India under the Company and the crown, London: Oxford university press, P:579

۹۔ اشتیاق حسین قریشی، تاریخ پاکستان، ص:۱۸۷

۱۰۔ افضل اقبال، محمد علی جوہر، ص:۱۵۱

۱۱۔ اشتیاق حسین قریشی، تاریخ پاکستان، ص:۱۸۷

۱۲۔ نوراحمد، سید، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، ص:۲۷

13. Abdul Hamid, Prof., Muslim Separatism in India: A brief survey, 1858-1970, P:152

14. Ibid, P:153

15. Ibid, P:152

16. Ibid, P:153

۱۷۔ نثاراحمد اسرار، ڈاکٹر، ترکی میں تحریک خلافت کی صدائے بازگشت، مطبوعہ: مشرق، روزنامہ، لاہور، ۱۲دسمبر ۱۹۸۸ء

۱۸۔ اشتیاق حسین قریشی، تاریخ پاکستان، ص:۱۸۷

۱۹۔ خلیل اللہ خاں، تحریک پاکستان، ص:۱۴۵

۲۰۔ ایضاً،

۲۱۔ نوراحمد، سید، ماشل لاء سے ماشل لاء تک، ص:۳۳

۲۲۔ شفیق احمد، ڈاکٹر، اقبال اور ترکی، مشمولہ: ضیائے ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص:۹۴

۲۳۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، جنوری ۱۹۷۹ء، ص:۲۸۱

۲۴۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۸ء، ص:۱۲۳

۲۵۔ مطبوعہ در Sociological review، لندن، ۱۹۰۸ء

۲۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، فروری ۱۹۷۳ء، ص:۹۲۷

۲۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص:۲۹۵

۲۸۔ محمد اقبال، فلسفۂ عجم، ترجمہ: میر حسن الدین، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص:۲۵۷، ۲۹۰

۲۹۔ اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ترجمہ: نذیر نیازی، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص:۲۴۳

۳۰۔ اقبال، خلافت اسلامیہ، مشمولہ: سید عبدالواحد معینی، مرتب: مقالاتِ اقبال، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص:۱۵۱۔۱۵۳ وغیرہ

۳۱۔ ایضاً، ص:۹۰

۳۲۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص:۱۸۹

۳۳۔ اقبال، مکاتیب اقبال بنام گرامی، کراچی، ۱۹۲۲ء، ص:۲۲۲

۳۴۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص:

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص:

۳۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص:

۳۹۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، مرتب: مکتوبات اقبال، جلد دوم، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۱ء، ص:۲۷۳

۴۰۔ ایضاً، ص:۲۸۱۔۲۸۲

۴۱۔ لطیف احمد شیروانی، مرتب: حرفِ اقبال، اسلام آباد: علامہ اقبال یونیورسٹی، ۱۹۹۸ء، ص:۱۵۶

۴۲۔ ایضاً، ص:۱۵۶

۴۳۔ ایضاً، ص:۱۵۸

۴۴۔ ایضاً

☆......☆......☆